© rasailojaraid.com

فہم قرآن: تفاسیر کی روشنی میں

اخذ و ترتیب: خرّم مراد

مشاورت

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○ (آل عمران ۳ : ۱۵۹)

سو تو ان کو معاف کر، اور ان کے واسطے بخشش مانگ، اور ان سے مشورہ لے کام میں۔ پھر جب قصد کرچکا تو اس کام کا، تو پھر بھروسا کر اللہ پر، اللہ کو محبت ہے توکل کرنے والوں سے۔ (موضح الفرقان: شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہوجائے تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں (تفہیم القرآن: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲ : ۳۸)

اور کام کرتے ہیں مشورے سے آپس کے۔ (موضح القرآن، ایضاً")

اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں (تفہیم القرآن، ایضاً")

مواہب الرحمٰن: مولانا امیر علیؒ

تجاوز کر ان سے جو انہوں نے کیا۔ اور مغفرت مانگ ان کے گناہوں کی، تاکہ میں بخش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوں۔ اس میں کامل خلق بیان فرمایا' کہ برائی کرے تو معاف کرے' اور اس کے بدلے اور نیکی کرے۔ اور یہ آنحضرتؐ کی صفت تھی کہ اگلی کتابوں میں مذکور ہے۔ ...وہ فظ نہ ہوں گے' نہ غلیظ القلب' اور نہ بازاروں میں بک بک کرنے والے' اور نہ بدلہ دیں گے برائی کا برائی سے' بلکہ عفو کریں گے اور درگزر کریں گے۔

ان کے رائے لو' یعنی شان حرب وغیرہ میں' ان کے دلوں کی خوشی کے واسطے' اور تاکہ تیرے فعل کے مطابق سنت ہو جائے۔ نبیؐ کا خود یہ حال تھا کہ لوگوں سے بہت مشورت کرتے تھے۔ اس کی محی السنہؒ نے معالم میں اور دوسروں نے روایت کیا ہے۔ حسنؒ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کے رسولؐ کو ان کی مشاورت کی کچھ حاجت نہیں' لیکن چاہا کہ آپؐ کے بعد کی امت اسی طریقے پر رہے۔

ابن کثیرؒ نے ذکر کیا کہ آیا یہ امر آپؐ پر واجب تھا' یا مستحب تھا۔ اس میں فقہا کے دونوں قول موجود ہیں۔ سراج میں ذکر کیا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی آگئی' تو اس میں رسولؐ کو امت سے مشاورت کرنا روا نہیں۔ کیونکہ جب کوئی حکم منصوص ہوا تو رائے باطل ہو گئی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کہ آگاہ رہو' کہ اللہ تعالیٰ و اس کا رسولؐ اس [مشاورت] سے بے پروا ہیں۔ و لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے واسطے رحمت کیا ہے۔ سو جس نے میری امت میں مشورت کی' اس نے راہ صواب کو گم نہ کیا۔ اور جس نے مشورت نہ کی' وہ گمراہی کو نہ چوکا۔ قرطبیؒ نے ابن عطیہؒ سے نقل کیا ہے کہ اس میں خلاف نہیں کہ جو شخص' مسلمانوں کے سرداروں میں سے' مشورت نہ لیتا ہو اس کا معزول کرنا روا ہے۔

پھر جاننا چاہیے کہ ... ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ... یہ آیت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی شان میں اتری۔ یہ دونوں بزرگ حضرتؐ کے حواری' آپؐ کے وزیر اور مومنوں کے باپ تھے۔ عبدالرحمٰن بن غنمؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے کہا کہ جس مشورہ میں تم دونوں اتفاق کرو میں اس میں تم سے مخالفت نہ کروں گا۔

اس میں دلالت ہے کہ اجتہاد کرنا جائز ہے' اور بیان ہے کہ قیاس حجت ہے۔ ...

پھر جب تو نے عزم کر لیا اس چیز کے عمل میں لانے کا' جو بعد مشاورت کے ٹھہری ہے' تو اعتماد و بھروسہ کر اللہ تعالیٰ پر' نہ اس مشاورت پر۔ اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ایسے لوگوں کو جو توکل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ... مدارک میں کہا کہ توکل اللہ تعالیٰ پر' بھروسا کرنا اللہ تعالیٰ پر' اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی کے سپرد کر دینا۔

شیخ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ خلعِ ارباب اور قطعِ اسباب۔ یعنی سوائے خدائے تعالیٰ کے، جو لوگ وسیلہ گمان کیے جاتے ہیں اور گمان و وہم ان پر بھروسہ کرتا ہے، ان کو چھوڑنا۔ اور جتنے اسباب و سامان، کہ کسی کام کے پورے ہونے میں دخل رکھنے والے شمار ہوتے ہیں، سب کی جڑ کاٹ دینا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ سے عزم کے معنی پوچھے گئے۔ تو فرمایا کہ ' اہل رائے سے مشورت لے کر اس کی پیروی کرنا۔ (ابن مردویہ)

عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ کوئی تدبیر نہ کرنا، اور نہ کسی سبب ظاہری کا مباشر ہونا، یہ توکل ہے۔ حالانکہ یہ وہم و غلط ہے، بلکہ سخت مذموم ہے۔ توکل یہی ہے کہ اللہ عزو جل نے جو امور کہ ظاہر میں اسباب مقرر فرمائے ہیں، ان کو ظاہر کے اسباب کہہ کر بجا لائے، اور یہی اعتقاد رکھے کہ، پورا ہونا کام کا، اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے۔ یہ نہیں کہ ان اسباب کی طرف، یا اسباب کے نہ دل سے پورے کرنے کی طرف، اس طرح دل لگوے کہ ان کے نہ پورے ہونے، یا ایسی کوشش نہ کرنے سے مقصود فوت ہو جائے گا، کیونکہ یہ حماقت ہے۔

اسی واسطے فرمایا کہ مشاورت کرو، اور یہ نہ سمجھو کہ جو مشورہ میں قرار پایا ایسا مضبوط ہے کہ اس میں رائے خطا نہ ہوگی۔ نہیں، بلکہ جب اس [مشورہ] کو جاری کرو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ توکل تمام، ہر ہر مسلمان بندے کی شان ہے، اور اس پر واجب ہے۔ ایسا نہیں، جیسا عوام گمان کرتے ہیں، کہ یہ تو ترک دنیا کا نام ہے، سوائے فقیروں کے کون کر سکتا ہے۔ یہ گمان غلط اور شیطانی وسوسہ ہے۔

ان کا کام ان کے درمیان مشورت ہے۔ یعنی ان کی صفت ہے کہ جہاد جنگ وغیرہ کسی کام میں کوئی اپنی رائے سے کسی طریقے پر ابرام نہیں کرتے۔ بلکہ باہم مل کر، مشورے سے، اس کام کی رائے تجویز کرتے ہیں، تاکہ جماعت کی رائے متفق ہو کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، تاکہ وہی اپنی رحمت و فضل سے کار سازی فرماوے۔

ضحاکؒ سے روایت ہے کہ جب مدینہ کے لوگوں نے رسول اللہؐ کا ظاہر ہونا سنا، تو ابو ایوبؓ کے مکان میں جمع ہو کر باہم مشورت کی کہ اس رسولؐ پر ایمان لاویں، اور اس کی مددگاری کریں۔۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ مشورہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ ہر امر میں صحابہؓ سے مشورہ لیتے' جہاں رائے کی ضرورت ہوتی' باوجود یکہ آپؐ تمام جہاں سے افضل ہیں۔ ... اسی طرح صحابہؓ بھی باہم مشورہ کرتے تھے۔ اور یہ متواتر معروف ہے۔

اور مشورہ کرنے میں جماعت کے درمیان باہم الفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقول کے اجتماع سے راہ صواب کھل جاتی ہے۔ اور جس قوم نے مشورہ سے کام کیا' ان کو ٹھیک راہ مل جاتی ہے۔

اور جماعت مشورت کو لازم ہے کہ احسن و افضل رائے کو دیکھتے رہیں' اور کوئی شخص اپنی رائے پر ہٹ نہ کرے۔ بلکہ افضل رائے پر متفق ہو جائیں۔ اور اسی کو اپنی رائے سمجھیں' کیونکہ درحقیقت یہ انہیں کے مشورہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتا ہے' جب کہ اس کی رضامندی حاصل کرنے کے واسطے کام ہو۔

حتیٰ کہ یہاں تک اپنے بندوں کی تعریف فرمائی کہ ان کا کام ان کے درمیان مشورت ہے۔ یعنی کوئی شخص ان میں اپنی رائے پر نازاں نہیں ہوتا اور نہ تکبر دکھلا کر' تنہا اپنی رائے پر جبر کرتا ہے۔ اور نہ یہ لوگ کام میں جلدی کرتے ہیں' بلکہ باہم مشورہ کر کے' نیک رائے پر متفق ہو کر' اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

بیان القرآن: مولانا اشرف علی تھانویؒ

(جب آپ نے ان کے افاضہ کے لیے ان کے ساتھ برتاؤ میں سے نرمی اختیار فرمائی' تو آپ کے حکم میں جو ان سے کوتاہی ہوئی' اس کو) آپ (دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجیے۔ اور (جو کچھ ان سے خدا تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی ہو گئی' اس میں) آپ ان کے لیے (حق تعالیٰ سے) استغفار کر دیجیے۔ (گو اللہ تعالیٰ نے اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے)' مگر آپ کا استغفار فرمانا یہ علامت ہوگی آپ کی زیادہ شفقت کی' جس سے ان کی اور زیادہ تسلی ہوگی)۔ اور (بدستور) ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے' (تاکہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو)۔ پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں' (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو)' سو خدا تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ جو کہا گیا کہ خاص خاص باتوں' مراد ان سے وہ امور ہیں جن میں آپ پر وحی نازل ہوئی ہو' ورنہ بعد وحی کے پھر مشورہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ جو کہا گیا کہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو' یہ اس مقام کے مناسب ایک حکمت ہے' منجملہ فوائد مشورہ کے۔ ابن جریرؒ نے اسکو قتادہؒ سے نقل کیا ہے۔ اور دوسری حکمتیں بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ کی امت کے لیے یہ سنت قرار پاوے۔ اس کو بیہقیؒ نے حسنؒ سے نقل کیا ہے۔ ' اور اس کی تائید میں ابن عدی اور بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ و رسولؐ کو تو اس مشورہ کی حاجت نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لیے ایک رحمت بنائی ہے۔ یا یہ کہ کسی امر میں ممکن ہے کہ مشورہ سے تقویتِ رائے کی بھی حاصل ہو جاوے۔ ...اور یہ غرضِ تقویت عدمِ حاجت الی المشورہ کے منافی نہیں' کیونکہ ممکن ہے کہ عدمِ حاجت باعتبارِ غالب کے' اور یہ تقویت باعتبار بعض احیان کے ہو۔

اور یہ جو کہا گیا کہ خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو' دلیل اس کی یہ ہے کہ لفظ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ امور انتظامیہ متعلقہ بالرای و المشورہ میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے' ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔

اور مشورہ و عزم کے بعد جو توکل کا حکم فرمایا' اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر منافی نہیں توکل کے' کیونکہ مشورہ و عزم کا داخلِ تدبیر ہونا ظاہر ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ یہ مرتبہ توکل کا کہ' باوجود تدبیر کے' اعتقاداً اعتماد رکھے اللہ تعالیٰ پر' یہ ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔ اور توکل بمعنی ترک تدبیر کے' اس میں تفصیل یہ ہے' کہ اگر وہ تدبیر دینی ہے' تو اس کا ترک مذموم۔ اور اگر دنیوی' یقینی' عادۃً ہے' تو اس کا ترک بھی ناجائز۔ اور اگر ظنی ہے' تو قوی القلب کو جائز۔ اور اگر وہمی ہے' تو اس کا ترک مامور بہ ہے۔

معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ

ارشاد و اصلاح اور تبلیغ کے آداب اس سے معلوم ہوگئے' کہ جو شخص رشد و ہدایت اور دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام کا ارادہ کرے' اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب رسولؐ کی سختی برداشت نہیں ہو سکتی' تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کر سکے' اور اپنی اصلاح کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرض انجام دے سکے۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپؐ تند خو' سخت طبیعت ہوتے' تو لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لیے تند خوئی سخت کلامی' زہر اور اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا' ان سے جو خطا ہو گئی ہے اس کو آپؐ معاف فرما دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی خطاؤں کا انتقام نہ لے' بلکہ عفو و درگزر سے کام لے' برا کہنے والوں پر مشتعل نہ ہو' ایذا دینے والوں سے نرمی کا معاملہ کرے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا' آپؐ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھی مغفرت طلب کریں۔ جس میں یہ ہدایت ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود ان کی ایذاؤں پر صبر کریں' بلکہ دل سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑیں' اور چونکہ سب سے بڑی خیر خواہی ان کی آخرت کی درستی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے بخشش کی دعا مانگیں۔

اس کے بعد ارشاد ہے' حسبِ سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی لیا کریں تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے۔ اس میں اس کی طرف ہدایت فرمائی کہ جو خیر خواہی کا داعیہ ان کے لیے قلب میں ہے' عمل سے بھی اس کا اظہار کریں کہ اپنی مشاورت سے ان کو مشرف فرما دیں۔ ... مشورہ کے بارے میں قرآن کریم نے دو جگہ صریح حکم دیا ہے' ایک یہی آیت مذکورہ' دوسرے سورہ شوریٰ کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ' یعنی اور ان کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ اور بعض جگہ ضمنی طور پر مشورہ کی ہدایت فرمائی ہے' جیسے رضاعت کے احکام میں ارشاد فرمایا: عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ' یعنی بچے کا دودھ چھڑانا ماں اور باپ دونوں کی رضا مندی اور مشورہ سے ہونا چاہیے۔ مشورہ سے متعلق چند اہم مسائل قابل غور ہیں:

پہلا مسئلہ' لفظ امر اور مشورہ کے معنیٰ' دوسرا مسئلہ' مشورہ کی شرعی حیثیت' تیسرا مسئلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا درجہ' چوتھا مسئلہ' حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ' پانچواں مسئلہ' مشورہ میں اختلافِ رائے ہو تو فیصلہ کی صورت' چھٹا مسئلہ' ہر کام میں تکمیل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل۔

پہلا مسئلہ: لفظ امر اور شوریٰ کی تحقیق

لفظ امر کا اطلاق عربی زبان میں کئی معنی کے لیے ہوتا ہے' ایک عام معنی میں آتا ہے' جو ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متم بالشان قول و فعل کو شامل ہے۔ دوسرا اطلاق بمعنی حکم اور حکومت ہے' جس پر قرآن کریم میں لفظ اولی الامر محمول ہے۔ تیسرا اطلاق حق تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے' جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے۔ مثلاً **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ' اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ' اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ' اَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ'** اور محققین کے نزدیک **قل الروح من امر ربی** میں بھی یہی امر مراد ہے۔

اب قرآن کے ارشاد **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ** اور **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے ہی معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی بھی اس میں شامل ہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں' کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے امر کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو' خواہ حکومت سے متعلق ہو خواہ معاملات سے۔ اور لفظ شوریٰ' مشورہ' مشاورت کے معنی ہیں' کسی قابلِ غور معاملہ میں لوگوں کی رائیں حاصل کرنا۔ اس لیے **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ** کے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ قابلِ غور معاملات میں' جن میں حکومت کے متعلقہ معاملات بھی شامل ہیں' صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا کریں' یعنی ان حضرات کی رائیں معلوم کیا کریں۔

اسی طرح سورۂ شوریٰ کی آیت **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** کے معنی یہ ہوئے کہ ہر قابلِ غور معاملہ میں جس میں کوئی اہمیت ہو' خواہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا دوسرے معاملات سے' ان میں سچے مسلمانوں کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ باہم مشورہ سے کام کیا کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: مشورہ کی شرعی حیثیت

اس بارہ میں قرآنِ کریم کے ارشاداتِ مذکورہ اور احادیثِ نبویہؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں رائیں مختلف ہوسکتی ہیں خواہ وہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے' باہمی مشورہ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی تائید آئی ہے۔ اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے' جیسے معاملات حکومت' ان میں مشورہ لینا واجب ہے' (ابن کثیر)

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے' اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہدایت مل جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں' اور تمہارے مالدار سخی ہوں' اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں' تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں' اور تمہارے مالدار بخیل ہوں' اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں' تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آجائے کہ بھلے برے اور نافع و مضر سے قطع نظر کرکے محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے معاملات اس کے سپرد کردو' تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لیے موت بہتر ہے۔ ورنہ مشورہ میں کسی عورت کی بھی رائے لینا کوئی ممنوع نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے ثابت ہے' اور قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کی آیت جو ابھی بیان کی گئی ہے' اس میں ارشاد ہے عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ' یعنی بچہ کا دودھ چھڑانا باپ اور ماں کے باہمی مشورہ سے ہونا چاہیے۔ اس میں چونکہ معاملہ عورت سے متعلق ہے' اس لیے خاص طور سے عورت کے مشورہ کا پابند کیا گیا ہے۔...

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ' ... "جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو کام وہ خود اپنے لیے تجویز کرتا ہے وہی رائے دوسرے کو دے۔ اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔" یہ حدیث طبرانی نے معجم اوسط میں بہ سند حسن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے (مظہری)

البتہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشورہ صرف انہی چیزوں میں مسنون ہے جن کے بارہ میں قرآن و حدیث کا کوئی واضح قطعی حکم موجود نہ ہو۔ ورنہ جہاں کوئی قطعی اور واضح حکم شرعی موجود ہو اس میں کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں' بلکہ جائز بھی نہیں' مثلاً کوئی شخص اس میں مشورہ کرے کہ نماز پڑھے یا نہیں' زکوٰۃ دے یا نہیں' حج کرے یا نہیں۔ یہ مشورہ کی چیزیں نہیں' شرعی طور پر فرض قطعی ہیں۔ البتہ اس میں مشورہ کیا جاسکتا ہے کہ حج کو اس سال کیا جائے یا آئندہ' اور پانی کے جہاز سے جائے یا ہوائی جہاز سے' اور خشکی کے راستے سے جائے یا دوسرے طریق سے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے معاملہ میں یہ مشورہ لیا جاسکتا ہے کہ اس کو کہاں' اور کن لوگوں پر خرچ کیا جائے' کیونکہ یہ سب امور' شرعاً" اختیاری ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حدیث میں خود اس کی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحۃً قرآن میں نازل نہیں ہوا' اور آپؐ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو' تو ہم کیا کریں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لیے اپنے لوگوں میں سے عبادت گزار فقہا کو جمع کرو' اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو' کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ صرف دنیوی معاملات میں نہیں' بلکہ جن احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث کی صریح نصوص نہ ہوں ان احکام میں بھی باہمی مشورہ مسنون ہے۔ اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہیے جو موجودہ لوگوں میں تفقہ اور عبادت گزاری میں معروف ہوں (خرجہ الخطیب کذافی الروح)

نیز خطیب بغدادیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے : ... "عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانی ہوگی۔"

ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان میں دو وصف ضروری ہیں' ایک صاحب عقل و رائے ہونا' دوسرے عبادت گزار ہونا۔ جس کا حاصل ہے ذی رائے اور متقی ہونا۔ اور اگر مسئلہ شرعی ہے تو فقیہہ ہونا بھی لازم ہے۔

تیسرا مسئلہ : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کا درجہ

آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیں۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور صاحبِ وحی ہیں' آپؐ کو کسی سے مشورہ کی کیا حاجت ہے۔ آپؐ کو ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لیے بعض علماء نے اس حکم مشورہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مشورہ کی ضرورت تھی' نہ اس مشورہ پر آپؐ کے کسی کام کا مدار تھا' صرف صحابہ کرامؓ کے اعزاز اور دل جوئی کے لیے مشورہ کا حکم آپؐ کو دیا گیا ہے۔ لیکن امام ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ معلوم ہو کہ ہمارے مشورہ پر کوئی عمل نہیں ہوگا' اور نہ مشورہ کا کسی کام پر کوئی اثر ہے' تو پھر اس مشورہ پر کوئی دل جوئی اور اعزاز بھی نہیں رہتا۔ بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام امور میں تو براہ راست حق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک طریق کار متعین کر دیا جاتا ہے، مگر بمقتضائے حکمت و رحمت بعض امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی امور میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی قسم کے امور میں مشورہ لینے کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس مشاورت کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے۔ ...

خلاصہ یہ ہے نبوت و رسالت اور صاحب وحی ہونا کچھ مشورہ کے منافی نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہ یہ مشورہ نمائشی دل جوئی کے لیے ہو، اس کا اثر معاملات پر نہ ہو۔ بلکہ بہت مرتبہ مشورہ دینے والوں کی رائے کو آپؐ نے اپنی رائے کے خلاف بھی قبول فرما لیا۔ بلکہ بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بذریعہ وحی کوئی خاص صورت متعین نہ فرمانے اور مشورہ لے کر کام کرنے میں، حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ آئندہ امت کے لیے ایک سنت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے، جاری ہو جائے، کہ جب آپؐ کو بھی مشورہ سے استغناء نہیں تو پھر ایسا کون ہے جو استغناء کا دعویٰ کر سکے۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ میں ایسے مسائل میں مشاورت کا طریق ہمیشہ جاری رہا، جن میں کوئی نص شرعی نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول رہا۔ بلکہ بعد میں تو ایسے احکام شرعیہ کی دریافت کے لیے بھی مشورہ کا معمول رہا، جن میں قرآن و حدیث کا کوئی صریح فیصلہ نہ تھا، کیونکہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریق کار بتلایا تھا۔

چوتھا مسئلہ: حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے دو جگہ مشورہ کا صریح حکم دیا ہے۔ ... ان دونوں جگہ پر مشورہ کے ساتھ لفظ امر مذکور ہے، اور لفظ امر کی مفصل تحقیق اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ہر مہتم بالشان قول و فعل کو بھی کہا جاتا ہے، اور حکم اور حکومت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ امر کے خواہ معنی اول مراد لیں، یا دوسرے معنی، حکومت کے معاملات میں مشورہ لینا بہر صورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حکم یا حکومت مراد لینے کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے اور اگر معنی عام لیے جائیں جب بھی حکم اور حکومت کے معاملات مہتم بالشان ہونے کی حیثیت سے قابل مشورہ ٹھہریں گے۔ اس لیے امیر اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ حکومت کے اہم معاملات میں اہل حل و عقد سے مشورہ لیا کرے۔ قرآن کی آیات مذکورہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا مسلسل تعامل اس کی واضح شہادت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں آیتوں میں جس طرح معاملات حکومت میں مشورہ کی ضرورت واضح ہوئی' اسی طرح ان سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے' کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے' جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے' خاندانی وراثت سے نہیں۔ آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے' شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً" و کرہاً" اسی طرف آ رہی ہیں' لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے جبکہ پوری دنیا پر آج کے تین بتوں کی جگہ دو بتوں کی حکومت تھی' ایک کسریٰ' دوسرا قیصر' اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے' جس میں ایک شخص واحد لاکھوں' کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت و صلاحیت سے نہیں' بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بنا پر' حکومت کرتا تھا' اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا' یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا' صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور ناتمام نقوش پائے جاتے تھے' لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدھم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا۔ اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی' بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کرکے' امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دیدیا' جس کو وہ اپنے نمائندوں اہلِ حل و عقد کے ذریعہ سے استعمال کر سکیں۔ بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی' اور یہی روح ہے اسی طرز حکومت کی' جس کو آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی اصلی ملکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہوگئے۔ اب ان کی جمہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلاف انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلقِ خدا کو کسریٰ و قیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبرو استبداد کے پنجہ سے نجات دلائی' اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی' اور خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں، یا عوام، خدا تعالیٰ کے دیے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں۔ ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل و نصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں، تو دوسری طرف ان کی دیانت و امانت کو پرکھیں۔ اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقویٰ، دیانت، امانت، صلاحیت، اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو۔ پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:... "شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے" (کنزالعمال بحوالہ ابن ابی شیبہ)

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لیے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہوجائے، یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے،... ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ جو امیر کے اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے، اس کا عزل کرنا واجب ہے، اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں"۔ (البحرالمحیط لابی حیان)

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر جو ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا۔ ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اس مشورہ کی حاجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لیے ایک رحمت بنایا ہے۔ (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے رسولؐ کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا، کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا، لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپؐ کے ذریعے مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے۔ اس لیے بہت سے امور ایسے چھوڑ دیے جن میں صراحتہً کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، ان میں آپؐ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

پانچواں مسئلہ: مشورہ میں اختلاف [illegible] کیا صورت ہوگی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا' یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے ؟ قرآن و حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے' بلکہ قرآن کریم کے بعض اشارات اور حدیث اور تعامل صحابہؓ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کرسکتا ہے' خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے۔ البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا' اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں غور فرمایئے۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی مشورہ کے بعد آپؐ جب کسی جانب کو طے کرکے عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ اس میں عَزَمْتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ' صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا۔ عَزَمْتُمْ نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہؓ کی شرکت معلوم ہوتی۔ اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے' حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہؓ موجود ہوتے تھے' جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہؓ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے' حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لیے نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ ... کہ اس آیت میں شَاوِرْهُمْ کی ضمیر سے مراد حضرت شیخینؓ ہیں۔ کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے' ... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں حضرات جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور وزیر تھے' اور مسلمانوں کے مربی تھے۔ (ابن کثیر) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا"۔ یہاں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی ہے' اور شخصی حکومت کا طرز ہے' اور اس سے جمہور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کرلی ہے' کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں' بلکہ ان پر لازم قرار دیا ہے کہ علم و عمل اور صلاحیت کار اور خدا ترسی اور دیانت کی رو سے جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اس کو امیر منتخب کریں۔ تو جس شخص کو ان اعلیٰ اوصاف اور اعلیٰ صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو' اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بد دیانت اور فساق' فجار پر عائد کی جاتی ہیں' عقل و انصاف کا خون کرنا' اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

چھٹا مسئلہ: ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو' بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو' کیونکہ یہ سب تدابیر مدبر الامور کے قبضہ قدرت میں ہیں' انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا۔ ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش
امتحان ما مکن اے شاہ بیش

اس جملہ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ توکل ترک اسباب اور ترک تدبیر کا نام نہیں' بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ ہاں اسباب بعیدہ اور دور از کار فکروں میں پڑے رہنا' یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو موثر سمجھ کر مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہوجانا' بے شک خلاف توکل ہے۔

تدبرِ قرآن: مولانا امین احسن اصلاحی

یہاں عفو اور استغفار کی ہدایت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت بھی ہوئی کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہو۔ اس بات کے ذکر کا یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک خاص موقع ہے، جس کو مختصراً سمجھ لینا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاملاتِ دین میں کسی کے مشورے کے محتاج نہیں تھے، اس لیے کہ آپؐ ہر کام وحی الٰہی کی رہنمائی میں کرتے تھے۔ لیکن سیاسی و انتظامی معاملات میں آپؐ اپنے صحابہؓ سے برابر مشورہ کرتے رہتے تھے، اور اس طرح گویا حضورؐ نے خود اپنے طرزِ عمل سے اس شورائیت کی بنیاد ڈالی جو اسلام کے سیاسی نظام کی ایک بنیادی خصوصیت رہی ہے۔ اسی شورائیت کے پیش نظر آپؐ نے غزوۂ احد کے موقع پر بھی، جس کے اثرات و نتائج یہاں زیر بحث ہیں، صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر سے کیا جائے یا باہر نکل کر۔ مقصود اس مشورے سے... یہ تھا کہ جماعت کے اندر جو کمزور لوگ ہیں وہ کھل کر سامنے آجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جو کمزور اور منافق قسم کے لوگ تھے انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ شہر کے اندر محفوظ ہو کر مقابلہ کیا جائے، اور اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اس طرح وہ اپنی کمزوری اور نفاق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن مخلصین اور جاں نثاروں کی رائے اس کے خلاف ہوئی اور یہی رائے صائب اور حضورؐ کی رائے کے مطابق تھی۔ اس وجہ سے حضورؐ نے اسی رائے پر عمل فرمایا۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں یہ بات جو نقل ہوئی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی یہی تھی کہ مدینہ کے اندر محصور رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے لیکن پر جوش صحابہؓ نے آپ کو نکلنے پر مجبور کردیا، یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔ آنحضرتؐ نے جس وقت لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا اس کے بارے میں خود اپنی رائے ظاہر نہیں فرمائی، تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرسکے اور مقصود اس سے لوگوں کے حوصلہ کا جائزہ لینا تھا، تاکہ جنگ سے پہلے فوج کی صحیح صحیح حالت کا اندازہ ہوجائے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے شہر کے اندر سے مقابلہ پر اصرار کیا، اور جاں نثاروں نے باہر نکل کر۔ آپؐ نے اس تدبیر سے جب کمزوروں اور حوصلہ مندوں کا اندازہ فرما لیا تو گھر کے اندر داخل ہوئے اور اسلحہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ یہ اس امر کا اظہار تھا کہ مقابلہ باہر نکل کر کرنا ہے۔ جاں نثاروں کو بطور خود یہ گمان ہوا کہ مبادا حضورؐ نے یہ رائے ان کے اصرار کی وجہ سے اختیار فرمائی ہو، اس وجہ سے انہوں نے معذرت کے ساتھ اپنی رائے واپس لینی چاہی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ نبی ہتھیار پہن کر اتارا نہیں کرتا۔ یعنی اب جب کہ عزم ہوچکا تو یہ بدل نہیں سکتا۔

منافقین کو جب اپنا مشورہ منوانے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنا غصہ نکالا۔ ایک گروہ تو یہ بہانہ بنا کر عین موقع پر فوج سے الگ ہوگیا کہ اس کے مشورے کی قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کی گئی۔ دوسرا گروہ جو بادل ناخواستہ ساتھ رہا' اس نے شکست کے بعد مسلمانوں میں یہ بددلی پھیلانا شروع کر دی' کہ جنگ کا یہ نتیجہ اس وجہ سے نکلا کہ ان کے مشورے کی قدر نہیں کی گئی' اگر ان کی رائے مان لی جاتی تو یہ افتاد پیش نہ آتی۔ ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کا مقصود شرارت اور مسلمانوں میں بددلی پھیلانا تھا۔ لیکن اس مرحلے میں مصلحت'... یہی تھی کہ ان منافقین سے درگزر کی روش اختیار کی جائے' اور جو مجلسی اور جماعتی حقوق ان کو حاصل ہیں وہ ان کی ان غلطیوں کے باوجود بھی ابھی باقی رہیں۔ چنانچہ جس طرح حضورؐ کو ان کے لیے عفو و استغفار کی ہدایت ہوئی' اسی طرح اس بات کی بھی ہدایت ہوئی کہ جو امور مشورہ کے تحت آتے رہیں ان میں آپؐ بدستور ان سے مشورہ لیتے رہیں۔ اگرچہ ان کی کمزوری اور بدخواہی واضح ہو چکی ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ کے بعد فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ انتظامی و سیاسی امور میں مشورے کی یہ ہدایت صاحب امر کی تقویت اور اس کے اطمینان کے پہلو سے ہے۔ مشورہ کرنا تو بہرحال ضروری ہے' لیکن مشورے کے بعد جس بات پر اس کا دل ٹھک جائے' اللہ کے بھروسے پر وہ کام اسے کر گزرنا چاہیے۔ صاحب امر کے اطمینان کے بعد یہ امر کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ جو رائے اس نے اختیار کی وہ اکثریت کی ہے یا اقلیت کی۔ نہ اکثریت فی نفسہٖ دلیلِ صحت و صواب ہے نہ اقلیت دلیلِ خطا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اکثریت کی رائے میں فی الجملہ صحت کا گمان غالب ہے۔ اس وجہ سے فصل نزاعات میں اگر اس کو فیصلہ کن مانا جائے تو مصلحت کے پہلو سے یہ راہ مامون ہے۔ بالخصوص اس زمانے میں جب کہ اتباعِ ہوا کا زور ہے' اور اختیار و اقتدار کو حدود کے اندر استعمال کرنے والے لوگ کمتر ہی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ عام افراد کی طرح ارباب اقتدار و سیاست کے لیے بھی پسندیدہ روش نرمی و چشم پوشی ہی کی روش ہے۔ اسی سے افراد میں حسن ظن اور اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے اجتماعی نظام میں وحدت' قوت اور استحکام کی برکتیں ظہور میں آتی ہیں۔ سختی اور سخت گیری اس کی فطرت میں نہیں بلکہ اس کے عوارض میں سے ہے۔ جس طرح صحت کے لیے اصل شے غذا ہے لیکن کبھی کبھی کسی مرض کے علاج کے لیے دوا کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے اسی طرح اجتماعی نظام میں اصل چیز نرمی ہے۔ سختی کبھی کبھی ضرورت کے تحت اختیار کرنی پڑتی ہے۔

دوسری یہ کہ اجتماعی نظام میں شورائیت اس حسن ظن و اعتماد کا مظہر ہے جو راعی اور رعایا اور امیر و مامور میں ہونا چاہیے۔ اسی سے استبداد اور سخت دلی کی جڑ کٹتی ہے اور راعی اور رعایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں طرف سے وہ تعاون ظہور میں آتا ہے جو استحکام کی بنیاد ہے۔

تیسری یہ کہ توکل' بے عملی اور تعطل کا کوئی بہانہ اور گوشہ خمول کا کوئی تکیہ نہیں ہے بلکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کی تمام سرگرمیوں میں عزم و عمل کی بنیاد ہے۔

چوتھی یہ کہ اصل قوت توکل علی اللہ ہے۔ وسائل و اسباب کی حیثیت ثانوی ہے۔

پانچویں یہ کہ توکل ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ جو شخص خدا پر ایمان کا مدعی ہے لیکن اس کو خدا پر بھروسہ نہیں ہے اس کا ایمان بے معنی ہے۔

شوریٰ' مصدر ہے' "فتیا" کے وزن پر اور اس کے معنی آپس میں مشورہ کرنے کے ہیں۔ لفظ "امر" عربی میں ہمارے لفظ "معاملہ" کی طرح بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع و محل اور سیاق و سباق سے کرتے ہیں۔ یہاں قرینہ پتہ دے رہا ہے کہ یہ لفظ جماعتی نظم کے مفہوم میں آیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا جماعتی اور سیاسی نظم' خود سری' انانیت' خاندانی برتری' نسبی غرور پر مبنی نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہے۔...

ایک سوال یہاں قابل غور ہے کہ قرآن کا معروف اسلوبِ بیان تو یہ ہے کہ وہ نماز کے ساتھ بالعموم زکوٰۃ یا انفاق کا ذکر کرتا ہے' لیکن یہاں اس معروف طریقہ کے خلاف نماز اور انفاق کے بیچ میں شوریٰ کا ذکر آگیا ہے۔ آخر شوریٰ کی اہمیت کا وہ خاص پہلو کیا ہے جس کی بنا پر اس کو نماز کے پہلو میں جگہ دی گئی؟

ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے نظمِ اجتماعی کی روح اور اس کے قالب کی اصلی شکل نماز میں محفوظ کی گئی ہے۔ اسی کے اندر مسلمانوں کو دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ان کو اللہ کی بندگی کے لیے ایک بنیانِ مرصوص بن کر کھڑے ہونا ہے' کس طرح اپنے اندر سے سب سے زیادہ علم و تقویٰ والے کو اپنی امامت کے لیے منتخب کرنا ہے' کس طرح لوگوں کو حدود الٰہی کے اندر اس امام کی بے چون و چرا اطاعت کرنی ہے' اور کس طرح امام اس بات کا پابند ہے کہ لوگوں کو کسی ایسی بات کا حکم نہ دے جو اللہ اور رسولؐ کے کسی حکم کے خلاف ہو اور کس طرح اس کے ایک ادنیٰ مقتدی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے تو وہ اس کو ٹوک دے' یہاں تک کہ عین نماز کے اندر بھی رکوع' سجود' قیام' قعود یا تلاوت میں کوئی ادنیٰ فروگزاشت بھی اس سے صادر ہو جائے تو اس کے پیچھے ہر نماز پڑھنے والا اس کو متنبہ کرنے کا ذمہ دار ہے اور امام کا یہ فرض ہے کہ اگر مقتدی کی تنبیہ مطابق شریعت ہے تو وہ اس کو قبول [کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اپنی غلطی کی فوراً اصلاح کرے۔ گویا اس طرح ہمارا پورا نظم اجتماعی نماز کی صورت میں متشکل کرکے ہمیں یہ دکھایا گیا کہ ہم اپنی سیاسی تنظیم میں اسی نمونہ کی پیروی کریں۔ اسی طرح اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اپنی تنظیم کریں' اسی طرح اپنے اندر سے سب سے زیادہ اہل اور صاحب علم و تقویٰ کو اپنی قیادت کے لیے منتخب کریں۔ اسی طرح تمام معروف میں بے چون و چرا اس کی اطاعت کریں' اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو شریعت کے معروف کے خلاف ہو تو بے خوف لومتہ لائم اس کو متنبہ کرکے اس کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کریں۔

نماز اور ہمارے سیاسی نظام کا یہ تعلق ہے جس کے سبب سے قرآن نے ٹھیک اس وقت جب مسلمان ایک ہیئت اجتماعی کی شکل اختیار کرنے والے تھے' ان کی رہنمائی شوریٰ کی طرف فرمائی۔ اور اس شوریٰ کا ذکر نماز کے پہلو بہ پہلو کرکے ایک طرف تو اس کی عظمت نمایاں فرمائی کہ دین میں اس کا کیا درجہ و مرتبہ ہے' اور دوسری طرف اس کی تشکیل کی نوعیت بھی واضح فرما دی کہ اس میں امیر و مامور کے حقوق و فرائض کی صورت کیا ہوگی' کس طرح کے لوگ اس کی رکنیت کے لیے موزوں ہوں گے' جماعت اور خلق خدا سے متعلق ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوں گی اور ان کی اصلی مسئولیت کس کے آگے ہوگی۔

شوریٰ کی اہمیت اور نماز کے ساتھ اس کے تعلق کا یہی پہلو تھا کہ عہد رسالت اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں اس کا انعقاد مسجد ہی میں ہوتا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق تو سیرت کی کتابوں میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ وہ شوریٰ کے انعقاد کا اعلان **"الصلوٰۃ جامعۃ"** کے الفاظ سے کراتے تھے۔ یعنی اہلِ شوریٰ نماز کے لیے جمع ہوں۔ جب اہلِ شوریٰ مسجد میں جمع ہو جاتے تو وہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو دوسرے اہلِ شوریٰ بھی ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے ہوں گے۔ نماز اور دعا کے بعد حضرت عمرؓ مسئلہ زیر بحث پیش کرتے' اور اہل شوریٰ اس پر اپنی رایوں کا اظہار کرتے' اور خلیفہ کی رہنمائی میں کسی متفق علیہ نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے حصول کے پہلو سے بھی نہایت بابرکت ہے' اور اسلام کے نظم سیاسی کی اصل روح کے تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی۔ لیکن اس دور میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کی تقلید میں شورائی نظام کی جگہ' نظام بھی دوسرے اختیار کرلیے' اور مسجدوں سے بھی ان کا تعلق بالکل منقطع ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی رہنمائی سے محروم ہوگئے اور ان کی باگ شیطان اور اس کے ایجنٹوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اب پارلیمنٹوں کے ایوانوں میں جو دھینگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشتق ہوتی ہے اس کی مثال بازاروں میں بھی مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

فی ظلال القرآن: سیّد قطب شہیدؒ

"ان سے معاملات میں مشورہ کرو!" ان قطعی و حتمی الفاظ کے ساتھ حکومت کے نظام کے سلسلے میں اسلام شوریٰ کے اصول کو مقرر کرتا ہے' یہاں تک کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ ایک قطعی نص ہے' جس کے بعد امت کے لیے اس معاملہ میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ شوریٰ اسلام کا بنیادی اصول ہے اور اسلامی نظام اس کے سوا کسی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا۔ البتہ شوریٰ کی شکل اور وہ طریقہ جس کے ذریعہ شوریٰ متحقق ہو' اس میں امت کے حالات اور اس کی زندگی کے طور و طریق کے لحاظ سے تغیر و تبدل کی گنجائش ہے۔ ہر وہ شکل اور ہر وہ طریقہ' جس کے ذریعہ شوریٰ کی حقیقت ----- نہ کہ اس کی ظاہری شکل ----- متحقق ہو' شوریٰ ہے اور اسلام کا جز ہے۔

یہ قطعی حکم اس وقت آیا جبکہ اس سے قبل بظاہر شوریٰ کے خطرناک اور تلخ نتائج سامنے آچکے تھے۔ کیونکہ بظاہر اسی کے اجراء سے مسلمانوں کی صفوف کی وحدت میں اختلال رونما ہوا تھا۔ مشرکین سے جنگ کے سلسلے میں مسلمانوں کی آراء مختلف تھیں۔... اس اختلاف کے باعث ہی مسلمانوں کی وحدت میں انتشار پیدا ہوا' چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول' تہائی لشکر کو لے کر واپس چلا گیا' جبکہ دشمن دروازے پر موجود تھا۔ یہ ایک بہت بڑا حادثہ اور خطرناک انتشار و اختلال تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کرنے کی پالیسی فوجی نقطہ نظر سے زیادہ محفوظ پالیسی نہ تھی' کیونکہ یہ مدینہ کے دفاع کے سلسلے میں ----- جیسا کہ عبداللہ بن ابی نے کہا ----- پچھلی پالیسیوں کے خلاف تھی۔ خود مسلمانوں نے اس جنگ کے بعد ہونے والے غزوۂ احزاب میں اس کے خلاف پالیسی اختیار کی۔ وہ مدینہ ہی میں رہے' مدینہ کے آس پاس خندق قائم کی اور دشمن سے جنگ کرنے کے لیے باہر نہ نکلے' اور اس طرح انہوں نے غزوۂ احد کے سبق سے فائدہ اٹھایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ باہر نکلنے کے فیصلہ پر عمل درآمد کے نتیجہ میں مسلمانوں کو خطرناک نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آپؐ نے ایک خواب بھی دیکھا تھا۔ جو سچا خواب تھا اور جس کی صداقت کو آپ خود محسوس فرما رہے تھے۔ اس خواب کی تعبیر آپؐ نے یہ دی تھی کہ آپؐ کے گھر کے لوگوں میں سے کوئی شخص اور آپؐ کے ساتھیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بہت سے لوگ شہید ہوں گے' اور محفوظ اور مضبوط زرہ کی تعبیر آپؐ نے مدینہ منورہ سے کی۔ آپؐ کو یقیناً اس بات کا حق تھا کہ مشورے کے نتیجہ میں لوگ جس فیصلہ پر پہنچے تھے' آپؐ اسے رد کردیں۔ لیکن آپؐ نے یہ جاننے کے باوجود کہ اس فیصلے پر عمل درآمد کے نتیجے میں مصائب و آلام' نقصانات اور قربانیوں سے دو چار ہونا پڑے گا' شوریٰ سے حاصل ہونے والے فیصلے کو نافذ فرما دیا۔ کیونکہ شوریٰ کے اصول کا استقرار اور امت کی تعلیم و تربیت کا کام وقتی نقصانات سے بڑھ کر ہے!

نبوی قیادت کو اس بات کا حق تھا کہ نازک ترین حالات میں مسلمانوں کی صف میں انتشار کے برپا ہونے اور جنگ کے تلخ ترین نتائج کے سامنے آجانے کی وجہ سے آپؐ جنگ کے بعد شوریٰ کے اصول کو اٹھا کر پھینک دیتے۔ لیکن اسلام تو ایک امت کو وجود میں لا رہا تھا۔ اس کی تربیت کر رہا تھا اور اسے انسانیت کی قیادت کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اللہ کو اس بات کا علم تھا کہ امتوں کی تربیت اور قیادت راشدہ کے لیے انہیں تیار کرنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ شوریٰ کے ذریعہ ان کی تربیت کی جائے اور حالات کے نتائج کو برداشت کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا کی جائے۔ اور یہ کہ امت غلطی کرے ——— خواہ غلطی کتنی ہی بڑی ہو اور کتنے ہی تلخ نتائج کی حامل ہو ——— تاکہ وہ یہ جانے کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کیسے کرے' اور اپنے رائے اور عمل کے نتائج کو کس طرح انگیز کرے۔ کیونکہ غلطیوں کا ارتکاب نہ ہو تو صحیح روش کا علم نہیں ہو سکتا۔ نقصانات کی کوئی اہمیت نہیں جبکہ ان کے نتیجہ میں ایک ایسی امت وجود میں آئے جو تربیت یافتہ' علم و ادراک کی حامل اور نتائج کا صحیح اندازہ کرنے والی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کی زندگی میں غلطیوں' لغزشوں اور نقصانات کے کم ہونے سے امت کو کچھ حاصل ہونے والا نہیں' جبکہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ امت اس بچے کی طرح ہوجائے جو لاڈ پیار کے ساتھ پالا جا رہا ہو۔ اس صورت میں امت مادی نقصانات سے بھی دو چار ہو سکتی ہے اور مادی منافع بھی حاصل کر سکتی ہے' لیکن اسے اپنی ذات' اپنے وجود' اپنی اصلاح اور عملی زندگی کے سلسلے میں اپنی تعلیم و تربیت کا عظیم نقصان ہوگا' اس بچے کی طرح جو مثلاً چلنے سے اس لیے روک دیا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ پھسلتا اور گرتا ہے۔

اسلام ایک امت کو وجود میں لا رہا تھا اور اس کی تربیت کر رہا تھا۔ ناگزیر تھا کہ امت کو درجہ بلوغ عطا کیا جائے' اور اس کی عملی زندگی کی حرکت کے سلسلے میں اس پر سے نگرانی اور کارچین شب کو اٹھا لیا جائے' تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و سرپرستی میں زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عملی مسائل کے لیے تیار ہو سکے۔ اگر قیادت راشدہ کی موجودگی کے باعث شوریٰ کی اور نازک ترین حالات میں امت کی عملی تربیت کی ضرورت نہ رہتی' اور وہ اس کے لیے مانع بنتی ـــــ جیسا کہ احد کا معرکہ تھا' جو بالآخر امتِ مسلمہ کے انجام کا فیصلہ کرنے والا تھا اور امتِ مسلمہ ایک نو تشکیل امت تھی جو ہر جانب سے دشمنیوں میں گھری ہوئی تھی ـــــ اگر ان حالات میں اور ان خطرات کی موجودگی میں قیادت کے لیے جائز ہوتا کہ وہ مشورے کے بغیر صرف اپنی رائے سے فیصلہ کرتی' بہ الفاظِ دیگر قیادتِ راشدہ کا امت میں وجود کافی ہوتا' اور پر خطر حالات میں شوریٰ کا قائم مقام بن سکتا' تو یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود' جبکہ ان کے ساتھ وحی الٰہی کی طاقت بھی تھی' امت مسلمہ کو اس زمانے میں شوریٰ کے حق سے محروم کرنے کے لیے کافی ہوتا' خصوصاً" ان تلخ نتائج کی روشنی میں' جو شوریٰ کے بعد سامنے آئے' اور امت مسلمہ کے وجود کے لیے پر خطر حالات کے موجب بنے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ـــــ جبکہ ان کے ساتھ وحی الٰہی کی طاقت بھی تھی ـــــ اور ان حوادث اور ان حالات کے وقوع پذیر ہونے سے شوریٰ کا حق ختم نہیں ہوا' کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جانتا تھا کہ نازک ترین حالات میں بھی شوریٰ ضروری ہے' خواہ نتائج کچھ نکلیں' نقصانات کتنے ہی ہوں' مسلمانوں کی صف میں کتنا ہی انتشار رونما ہو' کتنی ہی تلخ قربانیاں دینی پڑیں اور کتنے ہی خطرات کے بادل منڈلا رہے ہوں! کیونکہ یہ سب جزئی باتیں ہیں' جن کا اس بات کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں کہ امتِ راشدہ وجود میں لائی جائے' جس کی' زندگی کے مسائل کے سلسلے میں عملی تربیت ہو' جو رائے اور عمل کی ذمہ داریوں کا ادراک کرنے والی اور رائے اور عمل کے نتائج کو ذہن میں محفوظ رکھنے والی ہو' چنانچہ خاص اسی زمانے میں یہ خدائی حکم نازل ہوا' کہ ... "تو انہیں معاف کردو۔ (خدا سے) ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔"

یہ اس لیے کہ یہ اصول خطرناک ترین حالات میں بھی' جو اس اصول کے استعمال کے نتیجہ میں رونما ہوں' قائم و برقرار رہے' اور اس لیے بھی کہ یہ اصول امت مسلمہ کی زندگی میں اچھی طرح پیوست ہو جائے خواہ اس کی تطبیق کے دوران کتنے ہی خطرات رونما ہوں' اور تاکہ امت مسلمہ کی زندگی میں اس اصول کی اہمیت کو رد کرنے کی کمزور اور لچر دلیل بھی ختم ہو جائے' جو اس وقت پیش کی جانے لگے جبکہ امت اس اصول کے استعمال سے بعض بظاہر خراب نتائج سے دو چار ہو' خواہ یہ مسلمانوں کی صف میں انتشار رونما ہونے کا ـــــ جیسا کہ غزوہ احد کے موقع پر ہوا' جبکہ دشمن دروازے پر تھا ـــــ [illegible] کی وجہ یہ ہے کہ امتِ راشدہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود اسی اصول کا مرہون منت ہے اور امتِ راشدہ کا وجود ہر خطرے سے' جو اس راستہ میں پیش آئے' بڑھ کر ہے۔

لیکن اسلامی نظام کی حقیقی صورت مکمل طور پر اسی وقت سامنے آئے گی جبکہ ہم آیت کے باقی حصے کو بھی پیش نظر رکھیں۔ آیت کے اس حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شوریٰ کے بعد کبھی بھی تذبذب اور تعویق کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

اسی طرح شوریٰ توکل علی اللہ سے مرد مومن کو بے نیاز نہیں کردیتی۔۔۔

شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ مختلف رایوں پر غور و خوض کرکے صحیح رائے اور صحیح رخ کا انتخاب کیا جائے۔ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو شوریٰ کا رول ختم ہو جاتا ہے اور تنفیذ کا رول شروع ہوتا ہے۔ عزم و جزم کے ساتھ' اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے فیصلے کی تنفیذ! اس طرح معاملہ اللہ کی قضا و قدر سے مربوط ہوجاتا ہے کہ اب اس کی مشیت جس طرح کے نتائج سے چاہے' دو چار کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جس طرح شوریٰ کی' اور خطرناک ترین حالت میں بھی رائے کے اظہار اور پھر فیصلے کے نتائج کو انگیز کرنے کی تعلیم دی' اسی طرح آپؐ نے یہ سبق بھی دیا کہ شوریٰ کے بعد فیصلے کو نافذ کیا جائے' اللہ پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے آپ کو اللہ کی قضا و قدر کے —— یہ جاننے کے باوجود کہ اس کا رخ کیا ہے —— حوالے کردیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے جنگ کے لیے نکلنے کے فیصلہ کو نافذ فرمایا۔ آپؐ اپنے گھر میں داخل ہوئے' زرہ پہنی اور ہتھیار لگائے —— حالانکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ آپؐ کہاں جا رہے ہیں اور مصائب و آلام اور قربانیوں سے آپؐ اور صحابہ کرامؓ دو چار ہونے والے ہیں —— اور حالانکہ آپؐ کو اس فیصلے کے ٹالنے کا ایک موقع مل گیا تھا' کیونکہ جن لوگوں نے نکلنے کے لیے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا' اب وہ تردد و تذبذب کا شکار تھے' انھیں یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ انھوں نے آپؐ کی رائے کے خلاف آپؐ کو عمل کرنے پر مجبور کردیا ہے' انھوں نے معاملہ آپؐ پر چھوڑ دیا کہ آپؐ چاہیں تو مدینہ سے نکلیں اور چاہیں تو مدینہ میں رہ کر مقابلہ کریں' لیکن آپؐ نے فیصلے سے ہٹنے کے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ انھیں پورا سبق دیں' شوریٰ کا سبق' پھر شوریٰ کے بعد عزم کرنے اور اللہ پر بھروسہ کرنے اور اپنے آپ کو اس کی قضا و قدر کے حوالے کرتے ہوئے' فیصلے کو نافذ کرنے کا سبق! آپ نے انھیں اس بات کی تعلیم دی کہ شوریٰ کے لیے ایک وقت ہے' لیکن شوریٰ ہوچکنے کے بعد تردد' تذبذب' اور از سر نو رایوں کو الٹنے پلٹنے کا کوئی موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ بے عملی، سلبیت و منفیت اور نہ ختم ہونے والے تذبذب کی صورت میں برآمد ہوگا۔ راستہ ایک ہی ہے: مشورہ اور غور و خوض، پھر عزم، فیصلے کا نفاذ اور توکل علی اللہ، جسے اللہ محبوب رکھتا ہے۔۔۔

جس خصلت کو اور جس کے حامل افراد کو اللہ محبوب رکھے، اس خصلت کے اختیار کرنے کے لیے اہل ایمان کو حریص ہونا ہی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ خصلت ہے، جو اہل ایمان کو اہل کفر سے ممتاز کرتی ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنا اور معاملات کو بالآخر اللہ کے حوالے کرنا اسلامی تصور اور اسلامی زندگی میں توازن کی راہ ہے۔ یہ کائنات کی اس عظیم حقیقت کے ساتھ تعامل کی روش ہے کہ تمام معاملات کا مرجع اللہ کی ذات گرامی ہے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے، اسے بہرحال کر ڈالتا ہے۔

تفہیم القرآن: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

[شوریٰ] کو یہاں اہل ایمان کی بہترین صفات میں شمار کیا گیا ہے، اور سورۂ آل عمران (آیت ۱۵۹) میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے، اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشاورت کو اسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ اس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو، اس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دوسرے متعلق اشخاص کو نظر انداز کر دینا زیادتی ہے۔ مشترک معاملات میں کسی کو اپنی من مانی چلانے کا حق نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک معاملہ جتنے لوگوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو اس میں ان سب کی رائے لی جائے، اور اگر وہ کسی بہت بڑی تعداد سے متعلق ہو تو ان کے معتمد علیہ نمائندوں کو شریک مشورہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کے لیے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے، یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے یہ دونوں صفات یکساں قبیح ہیں، اور مومن کے اندر ان میں سے کسی صفت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاسکتا۔ مومن نہ خود غرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرکے خود ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے، اور نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ متکبر اور خود پسند ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی کو عقل کل اور علیم و خبیر سمجھے۔

تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حقوق اور مفاد سے ہو ان میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس کی کتنی سخت جواب دہی اسے اپنے رب کے سامنے کرنی پڑے گی' کبھی اس بھاری بوجھ کو تنہا اپنے سر لینے کی جرات نہیں کرسکتا۔ اس طرح کی جراتیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں۔ خدا ترس اور آخرت کی باز پرس کا احساس رکھنے والا آدمی تو لازماً یہ کوشش کرے گا کہ ایک مشترک معاملہ جن جن سے بھی متعلق ہو ان سب کو' یا ان کے بھروسے کے نمائندوں کو اس کا فیصلہ کرنے میں شریک مشورہ کرے' تاکہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور بے لاگ اور مبنی بر انصاف فیصلہ کیا جاسکے' اور اگر نادانستہ کوئی غلطی ہو بھی جائے تو تنہا کسی ایک ہی شخص پر اس کی ذمہ داری نہ آپڑے۔

یہ تین وجوہ ایسے ہیں جن پر اگر آدمی غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ اسلام جس اخلاق کی انسان کو تعلیم دیتا ہے' مشورہ اس کا لازمی تقاضا ہے اور اس سے انحراف ایک بہت بڑی بد اخلاقی ہے جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلامی طرز زندگی یہ چاہتا ہے کہ مشاورت کا اصول ہر چھوٹے بڑے اجتماعی معاملے میں برتا جائے۔ گھر کے معاملات ہوں تو ان میں میاں اور بیوی باہم مشورے سے کام کریں' اور بچے جب جوان ہو جائیں تو انھیں بھی شریک مشورہ کیا جائے۔ خاندان کے معاملات ہوں تو ان میں کنبے کے سب عاقل و بالغ افراد کی رائے لی جائے۔ ایک قبیلے یا برادری یا بستی کے معاملات ہوں اور سب لوگوں کا شریک مشورہ ہونا ممکن نہ ہو' تو ان کا فیصلہ کوئی ایسی پنچایت یا مجلس کرے جس میں کسی متفق علیہ طریقے کے مطابق تمام لوگوں کے معتمد علیہ نمائندے شریک ہوں۔ ایک پوری قوم کے معاملات ہوں تو ان کے چلانے کے لیے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے' اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو' اور وہ اسی وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ کوئی ایماندار آدمی زبردستی قوم کا سربراہ بننے اور بنے رہنے کی خواہش یا کوشش نہیں کرسکتا' نہ یہ فریب کاری کرسکتا ہے کہ پہلے بزور قوم کے سر پر مسلط ہو جائے اور پھر جبر کے تحت لوگوں کی رضامندی طلب کرے' اور نہ اس طرح کی چالیں چل سکتا ہے کہ اس کو مشورہ دینے کے لیے لوگ اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی پسند کے نمائندے نہیں بلکہ وہ نمائندے منتخب کریں جو اس کی مرضی کے مطابق رائے دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے ہوں۔ ایسی ہر خواہش صرف اس نفس میں پیدا ہوتی ہے جو نیت کی خرابی سے ملوث ہو' اور اس خواہش کے ساتھ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی ظاہری شکل بنانے اور اس کی حقیقت غائب کر دینے کی کوششیں صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے خدا اور خلق دونوں کو دھوکا دینے میں کوئی باک نہ ہو' حالانکہ نہ خدا دھوکا کھاسکتا ہے' اور نہ خلق ہی اتنی اندھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص دن کی روشنی میں علانیہ ڈاکہ مار رہا ہو اور وہ سچے دل سے یہ سمجھتی رہے کہ وہ ڈاکہ نہیں مار رہا ہے بلکہ لوگوں کی خدمت کر رہا ہے۔

اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے:

اوّل یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفاد سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو' اور وہ اس بات سے پوری طرح باخبر رکھے جائیں کہ ان کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں' اور انہیں اس امر کا بھی حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی یا خامی یا کوتاہی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں' احتجاج کرسکیں' اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔ لوگوں کا منہ بند کرکے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس کر ان کو بے خبر رکھ کر ان کے اجتماعی معاملات چلانا صریح بددیانتی ہے جسے کوئی شخص بھی اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے اصول کی پیروی نہیں مان سکتا۔

دوم یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو اسے لوگوں کی رضا مندی سے مقرر کیا جائے' اور یہ رضا مندی ان کی آزادانہ رضا مندی ہو۔ جبر اور تخویف سے حاصل کی ہوئی' یا تحریص و اطماع سے خریدی ہوئی' یا دھوکے اور فریب اور مکاریوں سے کھسوٹی ہوئی رضا مندی درحقیقت رضا مندی نہیں ہے۔ ایک قوم کا صحیح سربراہ وہ نہیں ہوتا۔ جو ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرکے اس کا سربراہ بنے' بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

سوم یہ کہ سربراہ کار کو مشورہ دینے کے لیے بھی وہ لوگ مقرر کیے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو' اور ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل قرار نہیں دیے جاسکتے جو دباؤ ڈال کر' یا مال سے خرید کر' یا جھوٹ اور مکر سے کام لے کر' یا لوگوں کو گمراہ کرکے نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

چہارم یہ کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیں' اور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح کے اظہار رائے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو۔ یہ بات جہاں نہ ہو' جہاں مشورہ دینے والے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر' یا کسی جتھہ بندی میں کسے ہوئے ہونے کی وجہ سے خود اپنے علم اور ضمیر کے خلاف رائے دیں' وہاں درحقیقت خیانت اور غداری ہوگی نہ کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی پیروی۔

پنجم یہ کہ جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (اتفاق رائے) سے دیا جائے' یا جسے ان کے جمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو' اسے تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سننے کے بعد اپنی من مانی کرنے کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں۔" اس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لینے سے نہیں ہو جاتی' بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو اسی کے مطابق معاملات چلیں۔

اسلام کے اصول شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات کو چلانے میں مطلق العنان اور مختار کل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کے حدود سے محدود ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تشریع سے مقرر فرمایا ہے' اور اس اصل الاصول کی پابند ہے کہ "تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے" اور "تمہارے درمیان جو نزاع بھی ہو اس میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔" اس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اس امر پر تو مشورہ کرسکتے ہیں کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے' اور اس پر عمل در آمد کس طریقہ سے کیا جائے تاکہ اس کا منشا ٹھیک طور سے پورا ہو' لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کرسکتے کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کردیا ہو اس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلہ کریں۔

© rasailojaraid.com